مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

ماضی و مستقبل

از

(جناب محمد عتیق صاحب بی۔اے)

وسط مارچ ۵۲ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا پچپنواں اجلاس علیگڈھ میں منعقد ہوا جو آزاد ہندوستان میں کانفرنس کا پہلا اجلاس تھا۔ اس سے پہلے ۴۵ء میں کانفرنس کا اجلاس آگرہ میں مرحوم لیاقت علی خاں کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ حالیہ اجلاس کے صدر ملک کے مشہور ماہر تعلیم اور علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے مقتدر وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب تھے۔

ڈاکٹر حافظ محمد احمد سعید خاں صاحب (نواب صاحب چھتاری) صدر مجلس استقبالیہ نے حاضرین کو خوش آمدید کہتے ہوئے حالات کی نزاکت اور کانفرنس کی راہ میں آنے والی دشواریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا یہ اجلاس ہماری قومی زندگی کے بڑے نازک اور اہم دور میں منعقد ہو رہا ہے اس کانفرنس کو نئی دشواریوں اور نئے تقاضوں کا سامنا ہے۔ ایسی دشواریاں اور ایسے تقاضے جو ہمارے تصور میں نہ آ سکتے تھے۔"

کانفرنس کی صدارت کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب کا انتخاب، کانفرنس کے لئے صرف

سی نہیں بلکہ اس کی بھی ضمانت ہے کہ اس ادارے کو حالات کی نزاکت اور زمانہ کے نئے

احساس ہی نہیں ہے بلکہ وہ ان نئے سانچوں میں ڈھلنے کے لئے بھی تیار ہے جو

ہندوستان میں تیار ہو رہے ہیں۔

آج سے کوئی ۶۶ سال پہلے ۱۸۸۶ء میں یہ کانفرنس وجود میں آئی اس کے صدر علی گڈھ کے مولوی

سمیع اللہ خاں صاحب، ریٹائرڈ سب جج تھے۔ ان کا شمار اپنے زمانے کے معزز مسلمانوں میں تھا اور علی گڈھ تحریک کے ابتدائی دور میں وہ سرسید کے رفیقِ کار ہی نہیں بلکہ دستِ راست بھی تھے ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں تبلایا کہ "جہاں آج یونیورسٹی کا مرکزی ہال ہے وہاں ایک عارضی پنڈال بنا کر اس کانفرنس کا پہلا اجلاس مولوی سمیع اللہ خانصاحب کی صدارت میں کیا گیا تھا اس جلسے میں شریک ہونے والوں کے ذہن میں مشکل سے یہ بات آئی ہوگی۔ کہ اس جگہ ایک بڑی یونیورسٹی قایم ہو جائے گی اور اس سے ہزاروں طلبا رتیض یاب ہوں گے۔"

۱۸۸۶ء کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ کا عموماً اور اسلامی ہند کی تاریخ کا خصوصاً بڑا ہی نازک اور اہم دور تھا۔ حکومت کا چراغ گل ہو چکا تھا اور ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی غیر منظم مگر خود تحریک آزادی نے، جسے انگریزوں نے "غدر" کا نام دے دیا تھا، اس کی ناکامی نے مسلمانوں کو صرف زندگی سے بددل ہی نہیں کر دیا تھا بلکہ اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے ملک میں ان کا کوئی مقام نہیں رہ گیا تھا۔ مسلمانوں نے چونکہ ۱۸۵۷ء کے معرکۂ آزادی میں نمایاں حصہ لیا تھا اس لئے حکومت ان کو صرف مشکوک و مشتبہ نظروں سے ہی نہیں دیکھتی تھی بلکہ ان کو مجرم بھی سمجھ رہی تھی۔ دوسری طرف مسلمان بھی حکومت کی طرف دستِ تعاون بڑھانے کا خیال بھی گناہ سمجھ رہے تھے اس لئے قدرتاً وہ اس انگریزی تعلیم کا حاصل کرنا بھی گناہ ہی کے مرادف سمجھتے تھے جس کی حیثیت سکۂ رائج الوقت کی تھی اور جس کو حاصل کئے بغیر نہ تو ملازمت ہی مل سکتی تھی اور نہ زندگی کی اور راہیں ان پر کھل سکتی تھیں۔

وقت جو دلوں کے زخم کے لئے بہترین مرہم ثابت ہوتا ہے اپنے عمل سے غافل نہ تھا۔ مگر چونکہ زخم کاری تھے اس لئے وقت کی چارہ گری کی رفتار بھی سست تھی۔ ماحول کا وہ بوجھل پن جس میں ہر وہ چیز جس کا تعلق انگریز یا انگریزی سے تھا، نفرت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ ہلکا ہونے لگا تھا۔ دوسری طرف حکومت کی جو تیوریاں بھی جو مسلمانوں کا نام آتے ہی چڑھ جایا کرتی تھیں، اب سیدھی ہونے لگی تھیں۔ حکومت کے رویہ میں نرمی پیدا ہونے کی وجہ انصاف پسندی نہ تھی بلکہ اس کا راز یہ تھا کہ ہندو جو تعلیمی دوڑ اور ملازمتوں کے میدان میں مسلمانوں کے مقابلہ میں گوئے سبقت لے جا چکے

تھے، حکومت کی نظروں میں ضرورت سے زیادہ آگے بڑھ چکے تھے اور اس کی روک تھام کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا جاتے۔ ساتھ ہی حکومت کو اس کا بھی یقین تھا کہ اگر مسلمانوں میں انگریزی تعلیم رائج ہو جاتے تو اس مخالفت میں بھی کمی آجائے گی، جو مسلمانوں کے دلوں میں حکومت کی طرف سے بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ ۱۸۷۱ء میں ہندوستان کی مرکزی حکومت نے صوبائی حکومتوں کے نام ایک سرکلر جاری کیا جس میں مسلمانوں کی تعلیم کی طرف ان کو خاص طور پر توجہ دلائی گئی تھی۔ پھر ۱۸۸۲ء میں ایک تعلیمی تحقیقاتی کمیشن بھی حکومت نے مقرر کیا، جس کا تعلق مسلمانوں کی تعلیمی حالت کی جانچ پڑتال سے تھا۔

یہ حالات تھے جب علیگڈھ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی داغ بیل ڈالی گئی۔ دارالعلوم علی گڈھ۔ اس سے سات سال پہلے ۱۸۷۵ء میں قایم ہو چکا تھا۔ اس نئے تعلیمی ادارے، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام کا مقصد سر سید احمد مرحوم کی تحریک کو مسلمانوں میں مقبول بنانا، اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم خصوصاً اعلیٰ انگریزی تعلیم کا پرچار کرنا تھا۔

دارالعلوم علیگڈھ کے بدنام پرنسپل مسٹر بیک کو جب علی گڈھ میں در خور حاصل ہوا تو سر سید کی اور تمام تحریکوں کے ساتھ ساتھ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی زمام اختیار بھی مسٹر بیک کے ہاتھوں میں چلی گئی اور یہ تحریک بھی برطانوی اقتدار کے قیام اور اس کے مقاصد کے حصول کا اچھا ذریعہ بن گئی۔ بقول مولوی طفیل احمد مرحوم، مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں جب کوئی اعلان کرنا ہوتا تو اس کی منادی ان الفاظ میں کی جاتی :۔

"خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر کا"

بد قسمتی سے سر سید کی ضعیفی کے زمانہ میں علی گڈھ کالج پر بہ تبدیل الفاظ یہ مثل صادق آتی تھی

خدا کی، کالج سر سید کا حکم بیک بہادر کا

بہادر، کی یہ حکم فرمائی سب کالج ہی کے کاموں تک محدود نہیں تھی بلکہ سر سید کی سیاسی و ...ی تحریکوں پر بھی ان کے احکامات چلتے تھے یہاں تک کہ سر سید کے اخبار تہذیب الاخلاق میں مسٹر

تک کے مضامین سرسید کے نام سے شائع ہوا کرتے تھے۔ اس دور میں سرسید کے اکثر رفقار نے ان کی تحریکوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ ان میں سے ایک مولوی سمیع اللہ خاں بھی تھے جو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے صدر تھے۔

ان واقعات کے بیان سے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور سرسید تحریک کی برائی کرنا قطعاً مقصود نہیں ہے کیونکہ یہ صورت حال تو ان حالات نے پیدا کی تھی جن پر سرسید یا ان کے رفقار کو قابو نہیں حاصل تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ بقول ڈاکٹر ذاکر حسین "بسا اوقات ہمارے مخلص سے مخلص رہنماؤں کو بے جانے، بے ارادہ اس اقتدار (برطانوی اقتدار) کے شیطانی مقاصد کا آلۂ کار بننا پڑتا تھا"

یہی وجہ ہے کہ ہم سرسید اور ان کے ساتھیوں کو ملزم نہیں گردانتے بلکہ ایمان کی تو یہ ہے کہ انھوں نے جن حالات میں جو کام کیا، جس انتشار کا جو سامنا تھا اس میں جس یکسوئی اور پامردی کا انھوں نے ثبوت دیا۔۔۔۔۔ غلامی کی تیرگی میں جس طرح آزادیِ فکر کا چراغ روشن کیا، تنگ دلی کے دور میں وسعتِ نظر پیدا کرنے کی جو کوشش کی، جمودِ ذہنی کے عالم میں جس ہمت اور عزم سے قوم کی مخلصانہ وبے غرض خدمت کی، ان سب باتوں کو یاد نہ کرنا اور ان پر احسان مندی کے دو پھول نہ چڑھانا بڑی ہی ناشکری ہوگی ہمیں سب یاد ہیں۔ ان کے لئے ہمارے دل احسان مندی سے پر ہیں ان عاشقانِ پاک طینت کو خدا اپنی رحمتوں سے مالامال فرمائے" (ذاکر حسین)

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی کامیابی کا شاندار منارہ خود مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا وجود ہے۔ دارالعلوم علی گڈھ کو یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل کرنے کی تحریک ۱۸۹۱ء میں اسی پلیٹ فارم سے شروع کی گئی۔ اور کارکنانِ کانفرنس نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک دارالعلوم علی گڈھ مسلم یونیورسٹی نہیں بن گیا۔

کانفرنس کے حالیہ دوروزہ اجلاس میں آٹھ تجویزیں پاس ہوئیں جن کا تعلق اردو زبان، دینیات کی تعلیم عربی زبان کی ترویج و اشاعت کے علاوہ وقت کے ایسے اہم مسائل سے بھی تھا جن کا تعلق صرف مسلمانوں ہی سے نہیں بلکہ ہماری پوری قومی زندگی سے ہے مثلاً مفت ابتدائی تعلیم کی تجویز جس میں حکومت کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ملک کے میزانیہ کا بڑا حصہ تعلیم پر صرف کیا جاتے اور ابتدائی تعلیم مفت دی جائے

کانفرنس کے اس اجلاس کی ایک خصوصیت خواتین کی شرکت تھی۔ صدر مجلس استقبالیہ نے خواتین کو خاص طور پر خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا۔

"کانفرنس کے اس اجلاس میں ہماری درخواست پر خواتین نے بڑے شوق و خلوص سے شرکت فرمائی ہے اگر ہماری خواتین کو وہ مواقع ملے ہوتے جو ان کو یقیناً ملنے چاہئیں تھے لیکن کسی نہ کسی بنا پر نہ مل سکے تو ہماری زندگی کا نقشہ کہیں زیادہ طمانیت بخش اور دل آویز اور ہمارے کارناموں کا وزن و وقار کہیں زیادہ پائدار اور دور رس ہوتا۔ قومی زندگی کی صالح سرگرمیوں سے خواتین کا مدت دراز تک الگ تھلگ رہنا یا رکھا جانا وجوہ کچھ ہی رہے ہوں۔ ہمارے لئے کافی نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ مجھے امید ہے وہ اس کانفرنس کی سرگرمیوں میں پورا حصہ لیں گی اور اپنی شرکت کو ہر طور پر حق بجانب، مفید اور مؤثر بنائیں گی۔ ہم کو ان سے بڑی امیدیں ہیں اور میں ان کا دل سے خیر مقدم کرتا ہوں۔"

ملک کے اور اداروں کی طرح مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے بھی اب زندگی کے ایک نئے دور میں قدم رکھا ہے، جو اپنے سابقہ دوروں سے مختلف ہی نہیں بلکہ کٹھن بھی ہوگا۔ یہ تعمیری دور ہوگا —— قومی زندگی کے لئے نئے نئے سانچے تیار کرنے اور ان میں ڈھلنے کا دور۔

کانفرنس کے پیش نظر اب تک صرف یہ تھا کہ "اس ملک میں مسلمانوں کی جو جماعت آباد ہے صرف اس کے مخصوص مسائل پر غور و فکر کرنا ہمارا فرض ہے' اس جماعت کی فلاح و بہبود کی مخصوص راہیں تلاش کرنا ہمارا کام ہے۔ دوسروں سے ہمیں زیادہ سروکار نہیں، سوائے اس کے کہ ان کے مقابلے میں ہم نظر انداز نہ ہونے پائیں۔

اب صورت حال اس کے برعکس ہے۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ارباب حل و عقد اب "مسلمان شہریوں کی ترقی کے مسائل سوچیں گے تو اس لئے کہ ان کا صحیح حل نہ ہونے سے مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ ساری قوم کو نقصان پہنچے گا۔ اور ان کے صحیح حل سے ساری قومی زندگی فروغ پائے گی۔"

دونوں اقتباسات صدر کانفرنس کے خطبے سے لئے گئے ہیں۔ امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ کانفرنس اس نقطۂ نگاہ کو شمع ہدایت بنائیں گے تو اس کانفرنس کا نیا دور جواب سے شروع ہوتا ہے، پہلے دور سے زیادہ کامیاب و نتیجہ خیز ثابت ہوگا اور آزاد ہندوستان میں اس کی مساعی مشکور ہوں گی۔